Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ آدمی ہے کون؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"بشیرا احمد نام کا آدمی ہے جی، اللہ جانے کہاں سے ہمارے لِئے آفت بن کر آیا ہے، شہر میں رہتا ہے، بگھوان پُورے کی طرف،" پھر ارشاد اعجاز کی جانب جھُک کر نیچی آواز میں بولا، "اصلی بات یہ ہے ملک صاب کہ وہ اِس پر آنکھ رکھتا ہے، اِس بے وکوف عورت کی عقل ماری گئی ہے۔" کنیز خاموشی سے اعجاز کا مُنہ دیکھ رہی تھی، جیسے اب جواب دے دے کر تھک چُکی ہو۔

"اب کہاں جا رہے ہو؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"بھٹے پر جا رہے ہیں،" ارشاد نے کہا، "آگے جو اللہ کرے۔ ہمارا کیا زور ہے۔"

اعجاز چند لمحے تک وہاں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ "اچھا" پھر وہ بولا، "میں کل تُمہارا پتا کرنے آؤں گا۔ ٹھیکیدار مِل گئے تو اُن سے بھی بات کروں گا۔" گھر واپس جانے کی بجائے وہ دیر تک کھیتوں میں پھرتا رہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب 4

"کل سکُول سے بڑی دیر کر کے آئے،" سکینہ نے پُوچھا۔

"ہاں،" اعجاز نے جواب دیا۔ وہ لحظے بھر کو رُک کر سوچتا رہا کہ بتا دے یا نہ بتائے۔ پھر بولا، "کام آگیا تھا۔"

"چھُٹی نہیں لی؟" چاچے احمد نے پُوچھا۔

"نہیں۔"

"سرفراز کہتا ہے اِس نے کل تُمہیں سکُول میں نہیں دیکھا،" سکینہ نے کہا۔

"کلاسیں نہیں لیں۔ دفتر کا کام کرتا رہا تھا۔"

"آج جلدی آ جانا۔" سکینہ بولی۔ وہ چارپائی پہ بیٹھی ایک بچّے کو چھاتی سے دودھ پلا رہی تھی۔ دائی اِس کے پاس دُوسرے بچّے کو گود میں لِئے بیٹھی تھی جو وقفے وقفے پر ننھی سی آواز سے روتا جا رہا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے،" دائی بچّے کو ہلکورے دیتی ہُوئی بولی، "تیرا دُود وافر ہے۔ میرا آخری جوڑا کھرلوں کے گھر میں ہوا تھا۔ بارہ تیرہ سال کی بات ہے۔ فسادوں کا زمانہ تھا۔

"ماسی پروین کے گھر؟" سکینہ نے پُوچھا۔

"ہاں۔ تجھے نہیں پتا؟"

"نہ۔ اِس کا ریاض جوڑا تھا؟"

"اور کیا؟ پروین کا دُودھ نہیں تھا۔ بچاری نچوڑ نچوڑ کر ہلاک ہو جاتی تو ریاض کا پیٹ مشکل سے بھرتا تھا۔ دُوسرے کو بکری پر لگا دیا۔ دو دِن تو ٹھیک رہا، پھر اُسے نٹیاں لگ گئیں۔ حکیموں کا علاج کیا، آخر میں شہر کے ڈاکٹر کے پاس لے گئے، مگر جس کی آئی ہو اسے کون بچا سکتا ہے۔ دِنوں کے اَندر اللہ کو پیارا ہو گیا۔ تیرے اُوپر اللہ کا فضل ہے۔ کوئی فِکر فاقہ نہیں۔"

"ہمارے گھر پر اللہ کا فضل ہے رابیاں،" ماسی ہانڈی چڑھاتے ہُوئے بولی۔ "میرا دُودھ پانی کی طرح بہتا تھا۔ چھونے اِتنا پی جاتے کہ اُلٹیاں کرنے لگتے تھے، پھر بھی میرا کرتہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیلا ہی رہتا تھا۔ ہاتھ ہاتھ جتنے بڑے چٹاخ پڑ جاتے تھے۔ دھوتے دھوتے میری دائی کے مونڈھے دُکھنے لگتے تھے۔ ہنس کر کہتی تھی، چدھرانی، تیرے آگے تو نہر کے محکمے والوں کو بند باندھنا پڑے گا۔"

"اِس کی ہڈیوں کو نہ دیکھ رابیاں،" چاچا احمد حُقے کی نڑی مُنہ سے الگ کر کے بولا، "اِس کا ماس بڑا لائق ہے۔"

دائی رابعہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔ ماسی کے چہرے پہ رنگ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اُس نے تیزی سے ہانڈی میں ڈوئی ہلانی شروع کر دی۔

"میں پھر چلا اجاز،" چاچے احمد نے کہا۔

"بس چاچا؟"

"بس۔ روٹی کے ٹکڑے کے لِئے بیٹھا ہوں، کھا کر نِکل جاؤں گا۔ تیری ماسی کو پیچھے چھوڑ کے جا رہا ہُوں۔"

"ایک دِن اَور رُک جا چاچا۔ بیائی میں ابھی دِن پڑے ہیں۔"

"ڈنگروں کا روز کا کام ہے اجاز۔ ماچھیوں کے حوالے کر کے آیا ہُوں۔ کُتی کے بچّے میرے آدھے پٹھے اَپنے ڈنگروں کے آگے ڈال دیتے ہیں۔ ایک دِن رہ کر جاتا ہُوں تو مرلہ زمین کا ننگا پڑا ہوتا ہے۔"

"اچھا پھر، چاچا۔" اعجاز نے اُٹھتے ہُوئے کہا۔

"ایک زمانہ تھا،" چاچا احمد اُسی رو میں حُقّہ گڑگڑا کر بولا، "لوگ اپنا مال دُوسروں کے حوالے کر کے حج پر چلے جایا کرتے تھے۔ اب وہ اِعتبار کا زمانہ گیا۔"

"جلدی آ جانا،" سکینہ نے دُہرا کر کہا۔

"اچھا" اعجاز نے کہا اَور گھر سے نِکل گیا۔

اُس کے پاؤں اِس طرح اُٹھ رہے تھے جیسے اُس کے اَپنے ارادے سے قطعی آزاد ہُوں۔ یُوں ظاہر ہوتا تھا جیسے اُس کے بدن کو اَپنے طور پہ علم ہو گیا ہو کہ ایک نقصان کی تلافی کے لِئے دُوسرے خزانے کی تلاش اہم ہو گئی تھی۔

ملکوں کے بھٹے پر ارشاد اَور کنیز کا گھروندہ خالی پڑا تھا۔ دروازے پر جو ٹاٹ لٹکا ہوتا تھا وہ ایک ڈھیر کی شکل میں دہلیز پہ پڑا تھا۔ مزدوروں کے باقی کنبے سب کے سب اِینٹیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنانے کے کام میں مصروف تھے۔ مرد گیلی مٹی کا گارا تیار کر رہے تھے۔ پتھیروں میں زیادہ تر عورتیں اَور پانچ سال سے اُوپر کے بچّے مٹّی کو سانچوں میں بھر بھر کے کچی اِینٹیں نکالتے اَور اُنہیں سُوکھنے کو دُھوپ میں قطار در قطار رکھتے جا رہے تھے۔ اعجاز ایک کنبے کے پاس جا کھڑا ہُوا۔ اُس نے محسُوس کیا کہ مزدُور اُس کے ساتھ بات کرنے سے کترا رہے تھے۔ عورتوں نے مُنہ پھیر لِئے تھے۔ صِرف بچّے مُنہ اُٹھا کر اُسے دیکھ رہے تھے۔

"چل اوئے سُور کے تخم،" ایک عورت اَپنے بچّے سے چلّا کر بولی، اِینٹ اُٹھا اِینٹ، چھتر کھائے گا میرے سے، چل چل چل۔۔۔۔"

سات سالہ سیاہ رنگ ننگا بچّہ اُسی طرح کھڑا اعجاز کو دیکھتا رہا۔

"جی سَون بھادروں ابھی گزُر کے گیا ہے،" مرد گیلی مٹّی کو پیر سے ہلاتے ہُوئے بولا، "اب کام کا زور آ پڑا ہے، سارا سارا دِن لگائیں تو پھر بھی کھپی پُوری نہیں ہوتی۔"

اعجاز نے سَر ہلا کر اُس کے ساتھ اِتفاق کیا اَور محتاط لہجے میں پُوچھا، "ارشاد کہاں ہے؟"

مرد اَور عورت چند لحظوں تک ایک دُوسرے کا مُنہ دیکھتے رہے، گویا مخمصے میں ہُوں۔ پھر عورت نے تاسف سے سَر ہلایا اَور خاموشی سے اَپنے کام کی جانب مُنہ پھیر لیا۔ مرد نے اِدھر اُدھر دیکھا اَور نیچی آواز میں بولا، "سپاہی آیا تھا۔ اُس کے ساتھ تھانے چلے گئے ہیں۔"

اعجاز نے پریشانی سے چاروں طرف دیکھا۔ اُس نے بھٹے کا ایک چکّر لگایا مگر ملکوں کا کوئی آدمی اُسے نظر نہ آیا۔ واپسی پر وہ ایک درخت کے نیچے کچھ دیر رُک کر سوچتا رہا، پھر وہاں سے نِکل کر نُور پُور کی سڑک پہ ہو لیا۔

تھانے کے سامنے درختوں کی چھاؤں میں کِسانوں کی مختلف ٹولیاں بیٹھی تھیں۔ سفید کُرتہ، سفید تہمد اَور سفید ہی رنگ کی بڑی سی ڈھیلی بل دار پگڑی اِس علاقے کے کِسانوں کا تھانے کچہری میں پیش ہونے کا لباس تھا۔ دُھلے ہُوئے سفید کپڑوں اَور دُھوپ میں جلے ہُوئے سیاہ اَور تانبے کی رنگت والے شکن دار چہروں کے چھوٹے چھوٹے جُھرمٹ جگہ جگہ نظر آ رہے تھے۔ ارشاد اَور کنیز کو پہچاننا مشکل نہ تھا۔ اُن کے کپڑے میلے میلے رنگوں کے اَور سَر ننگے تھے۔ وہ کِسانوں کی ٹولیوں سے ذرا ہٹ کر بیٹھے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ارشاد، کنیز اَور بچّہ زمین پہ ٹانگیں چوڑی کئے بیٹھے تھے۔ اُن کے ساتھ ایک چوتھا آدمی لباس بچا کر، پاؤں کے بل بیٹھا تھا۔ سڑک سے تھانے کی پُرانی عمارت کی ڈیوڑھی نظر آتی تھی اَور اُسی سیدھ میں پچھلے برآمدے کے اَندر مُحرّر کی میز لگی تھی۔ مُحرّر کے سامنے کرسی پر ملکوں کا چھوٹا بیٹا رشید بیٹھا تھا جو سکُول میں اعجاز کا ہم جماعت رہا تھا۔ اعجاز تھانے کے احاطے سے گزُر کر ڈیوڑھی میں داخل ہوگیا۔ ارشاد، کنیز اَور ان کے ساتھی کی نظروں نے سڑک سے ڈیوڑھی تک اُس کا تعاقب کیا۔ ڈیوڑھی سے نِکل کر اعجاز نے تھانے کا صحن پار کیا اَور مُحرّر کی میز تک جا پہنچا۔

"آ، اعجاز،" رشید نے اُٹھ کر تپاک سے مصافحہ کیا۔ "کیسے حال چال ہیں۔ کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔"

"خیر خیریت ہے رشید، تُم اَپنی سُناؤ۔"

"اللہ تعالےٰ کا کرم ہے۔ کیا کچُھ ہوتا رہتا ہے۔ سکُول کیسا چل رہا ہے۔"

"بس چل ہی رہا ہے،" اعجاز نے ہنس کر جواب دیا۔

"بیٹھو اعجاز،" رشید نے دُوسری کرسی کی جانب اشارہ کرکے کہا۔ "یہاں کیسے آ نِکلے؟"

"اِدھر سے گزُر رہا تھا۔ تجھے دیکھ کر چلا آیا۔ سوچا مدت سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"شاہ جی، یہ ملک اعجاز اعوان ہیں،" رشید نے تعارفاً کہا، "شجاع آباد کا سکُول اِنہیں کے سَر پر چلتا ہے۔"

امداد علی شاہ تھانہ مُحرّر نے سَر اُٹھا کر دیکھا اَور جواب دیئے بغیر، اُسی طرح ماتھے پہ گھُوری رکھے، چہرہ جھکا کر لکھنا شرُوع کر دیا، جیسے کہ وہ اِس دُنیا کے ملکوں، سکُول ماسٹروں اَور دُوسرے مشتبہ لوگوں سے مِل مِل کر زندگی سے تنگ آ چُکا ہو۔

"تم یہاں کیسے بیٹھے ہو؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"بھٹے کا ایک معاملہ تھا۔ نپٹ گیا ہے۔ شاہ جی ہمارے مہربان ہیں۔"

وہ دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اِرشاد اَور کنیز اُن کے قریب سے گزُر کر اے۔ ایس۔ آئی کے کمرے میں داخل ہُوئے۔ گزُرتے گزُرتے ارشاد نے ہاتھ اُٹھا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعجاز کو سلام کیا۔ اعجاز سرسری جواب دے کر رشید سے باتیں کرنے لگا۔ دُور سے کسی نے مُحرّر اِمداد علی شاہ کو سلام کیا۔ اِمداد علی شاہ نے مُنہ اُٹھا کر اُس سے کہا کہ وہ اَپنے سلام کو لے جا کر اَپنی ماں کی ٹانگوں میں گھسیڑ دے اَور تھانے سے نِکل جائے ورنہ حوالات میں بند کر دیا جائے گا۔ اعجاز کا ایک کان مُحرّر کی جانب تھا اَور دُوسرے سے وہ رشید کی بات سُن رہا تھا کہ اچانک تھانیدار کے کمرے سے عورت کی آواز بلند ہونے لگی۔ وہ اُونچے لہجے میں کُچھ کہے جا رہی تھی۔ مُحرّر نے رشید کی جانب دیکھ کر زیرِ لب عورت کو گالی دی۔ پھر اَندر تھانیدار کی سخت آواز اُٹھی۔ اعجاز کرسی چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس نے رشید سے الوداعی مصافحہ کیا اَور باہر جانے کو مڑنے ہی والا تھا کہ تھانیدار کے کمرے کی چِک اُٹھی اَور اَندر سے بشپ جان اَور کرنل جوزف برآمد ہُوئے۔ اعجاز اُنہیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اُن دونوں کو پہچانتا تھا۔ بشپ جان تو اُن کے گاؤں میں عیسائیوں کی خبر کو آتا رہتا تھا۔ کرنل جوزف پُرانا نُور پُور کا رہنے والا فوج کا ریٹائرڈ لیفٹیننٹ کرنل تھا۔ بشپ جان بھاری بھرکم جسم اَور متین چہرے والا پچپن کے لگ بھگ کا آدمی تھا جس کے گھنے بال یہ دُہرا تاثر دیتے تھے کہ بیس سال کی عُمر میں سفید ہو چکے تھے اَور مزید کہ اُس عُمر سے لے کر آج تک ایک بال بھی جڑ سے ضائع نہیں ہُوا تھا۔ اُس کے مقابلے میں کرنل جوزف مختلف قسم کا آدمی تھا۔ اُس کا پردادا انگریزوں کے زمانے میں علاقے بھر کا آرچ بشپ تھا۔ دادا ریلوے کے ورکشاپوں میں کام کرتے کرتے ایگزیکٹو انجینئر کے عہدے سے ریٹائر ہوا تھا۔ باپ نے گو کُچھ تعلیم حاصل کی تھی، مگر آرچ بشپ کو ملے ہُوئے دو مُربعہ اراضی پر سنگتروں، مالٹوں اَور لیموؤں کا باغ لگوا کر اُس نے گاؤں میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اَپنے بیٹے جوزف کو اُس نے سینئر کیمبرج کروا کر فوج میں بھرتی کرا دیا تھا، جہاں سے وہ دس سال پہلے ریٹائر ہو چُکا تھا۔ کرنل جوزف ایک خُوبصورت آدمی تھا۔ اُس کی ماں اینگلو اِنڈین تھی۔ نکھرے ہُوئے گندمی رنگ اَور چھریرے بدن کا وہ ساٹھ سالہ آدمی پچاس سے بھی کم عُمر کا لگتا تھا۔ اُس کے سر کے بال آدھے سیاہ، آدھے سفید تھے، اَور سُرخ گالوں والے چہرے پہ بائیسکل کے ہینڈل کی سی سفید مونچھیں تھیں۔ گو وہ اپنی زندگی گاؤں میں گزارتا تھا مگر کسی نے اُسے دیہاتی لباس میں نہ دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ بش شرٹ اَور پینٹ، یا گھُڑ سواری کی بِرجس میں ملبوس ہوتا اَور ہاتھ میں ڈیڑھ فٹ لمبی پالش شدہ بانس کی گانٹھوں والی چھڑی رکھتا تھا۔ اُس کی بیوی موٹی سی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھدی اینگلو اِنڈین عورت تھی جو نوکروں کو ڈنڈوں سے پیٹ کر سزائیں دیا کرتی تھی۔ اُن کی ایک ہی بیٹی تھی جو شادی ہو کر اَپنے خاوند کے ساتھ اِنگلستان جا بسی تھی۔ کرنل جوزف کا لگایا ہُوا باغ علاقے میں کھٹے پھل کا سب سے بڑا باغ تھا۔ اب وہ باغ کے وسط میں عمارت تعمیر کرا رہا تھا جس کے اَندر مشینری لگوا کر اُس کا ارادہ شربت اَور اچار مربے بنانے کا تھا۔ گاؤں کے باہر کرنل جوزف کی بڑی سی پُرانی کوٹھی تھی جو بھٹے کے عیسائیوں کے علاوہ سارے علاقے کی عیسائی برادری کا مرکز تھی جہاں کرنل جوزف کا لفظ قانُون کا درجہ رکھتا تھا۔

بشپ جان اَور کرنل جوزف آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہُوئے کمرے سے باہر آ کر ایک لمحے کو رُکے، پھر ساتھ ساتھ چل پڑے۔ کمرے کے اَندر عورت کی غصیلی آواز اُٹھتی جا رہی تھی کہ اچانک تھانیدار کی کڑکتی ہُوئی آواز نے اُسے دبا دیا۔ ایک سیکنڈ کی خاموشی کے بعد عورت کے رونے کی آواز آنے لگی۔ ساتھ ہی اِرشاد چک اُٹھا کر باہر نِکل آیا۔ چک کے پیچھے اعجاز کو کنیز کا ہیولا نظر آیا تو وہ جلدی سے مڑا اَور باہر کو چل دیا۔ پُشت پہ اُس نے کنیز کی بلند آواز سنی جو اب برآمدے میں نِکل آئی تھی۔ اُس نے دِل پہ جبر کر کے اَپنے آپ کو پیچھے مڑ کر دیکھنے سے روکا۔ ڈیوڑھی پار کر کے اُس نے تھانے کے احاطے میں قدم رکھا اَور بائیں کو ہو کر رُک گیا۔ ایک مِنٹ کے بعد بشپ جان اَور کرنل جوزف باہر آئے۔ کنیز دُہائی دیتی ہُوئی اُن کے تعاقب میں نِکلی۔

"اللہ ظلم کرنے والوں کو بدلہ دے۔۔۔۔" وہ پُکاری۔

ارشاد نے عقب سے پکڑ کر اُسے روکنے کی کوشش کی تو کنیز نے پلٹ کر ایک دوہتڑ اُس کی چھاتی پہ رسید کیا جس سے وہ لڑکھڑا گیا۔ "چل بئ مان کُتے،" وہ چلّا کر بولی۔ احاطے میں بیٹھے ہُوئے کِسانوں کی ٹولیوں کے سَر بشپ، کرنل اَور کنیز کی جانب مڑ گئے۔ اُن چاروں کے پیچھے پیچھے ملک رشید چلا آ رہا تھا۔ کنیز لپک کر آگے بڑھی اَور بشپ کے سفید کوٹ پر ہاتھ رکھ کر بولی، "بشپ جی، آپ نے دیکھا؟ آپ نے اَپنی آنکھوں سے دیکھا۔۔۔۔"

بشپ ایک دم رُک کر یُوں پیچھے ہٹا جیسے اُس کو اپنا کوٹ میلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اُس نے تسلی کے اَنداز میں ہاتھ اُٹھا کر کچھ کہا، پھر رُخ بدلا اور کنیز سے بچ کر نکلنا چاہا۔ کنیز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کرنل جوزف کا بازو پکڑ لیا۔ کرنل جوزف نے آہستگی سے اپنی چھڑی اُس کے بازو پہ رکھی اَور نرمی سے دبائی۔ کنیز نے ہاتھ اُٹھا لیا۔

"کرنل جوجف صاب، آپ نے دیکھا،" کنیز اُس کے آگے آگے چلتی ہُوئی بولی، "آپ کی آنکھوں کے سامنے۔۔۔۔"

"سامنے کیا ہوگیا، وومن،" کرنل نے اَپنے انگریزی لہجے میں پُوچھا۔

"آپ کے سامنے تھانیدار نے میرے نالے پر ہاتھ ڈالا کہ نہیں؟"

بشپ جان کے چہرے پہ ناگواری کے آثار پیدا ہُوئے۔

"دیکھو وومن،" کرنل بولا، "ماملہ سب ٹھیک ہوگیا۔ اب بوم مت مارو۔ سب ٹھیک ہے۔ اب جاؤ۔ او کے؟"

اعجاز دِل میں ہنسا۔ اُسے اچھی طرح علم تھا کہ کرنل جوزف ٹھیٹھ زُبان بول سکتا تھا، مگر اُس نے اپنا لہجہ نہ چھوڑا تھا۔ کنیز کو اُس کا دُوسرا ساتھی بازو سے پکڑ کر پرے لے گیا۔ بشپ جان کی پُرانی سی آسٹن گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ وہ کرنل جوزف اَور رشید سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ کرنل کی پُرانی لینڈ روور جیپ دُوسری جانب کھڑی تھی۔ جب وہ اَور رشید جیپ کی جانب جاتے ہُوئے اعجاز کے قریب سے گزُرے تو اعجاز اَپنے ساتھ کھڑے ایک کِسان کی طرف چہرہ کرکے کھڑا ہوگیا، گویا اُس سے مخاطب ہو۔ رشید کرنل جوزف سے کہہ رہا تھا۔

"پچاس ہزار اِینٹ کل پہنچ جائے گی کرنل صاحب۔"

"کوٹھی پر نہیں مانگتا،" کرنل جوزف بولا، "باغ کے اَندر ڈلیوری مانگتا ہے۔"

"بالکل جدھر آپ کہے گا اُدھر لوڈ اُترے گا کرنل صاحب۔"

"اور ایک نمبر پکی چاہیے۔ ٹھوک بجا کر دیکھے گا۔ دو نمبر کی ایک اِینٹ بھی نہیں لے گا۔"

"ایسی بات نہ کرو کرنل صاحب، آپ نے ہمارے اُوپر اِتنا مہربانی کیا،" رشید کرنل کی زُبان بولنے لگا، "ہم آپ کو دو نمبر اِینٹ کیوں دے گا۔"

"گڈ شو۔ بھٹہ پر اَور جھگڑا کرے تو ہمیں بولو۔"

"تھینک یُو، کرنل صاحب۔ سر۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنل کی جیپ کے پاس ہی رشید کی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ دونوں اپنی اپنی سواری پر چڑھ کر نُور پُور کو روانہ ہوگئے۔ اعجاز کو دِل میں کچھ حیرت ہوئی کہ رشید کو پچھلے روز بھٹے پر اعجاز کی موجُودگی کا علم نہیں ہُوا۔ وہ احاطے سے گزُر کر ارشاد اَور کنیز کے پاس پہنچا جو اب تھکی تھکی چال سے سڑک کے کنارے تک جا چکے تھے۔ کنیز اُس تیسرے آدمی سے باتیں کر رہی تھی۔ اعجاز کو دیکھ کر رُک گئی۔

"ملک جی، تُم نے دیکھا اِس بغیرت کا کسب؟ پیسے لے کر بیٹھ گیا ہے۔"

"اللہ کی بندی ---" ارشاد نے اُس کا بازو پکڑ کر بات کرنے کی کوشش کی۔

کنیز نے اُسے پُورے زور سے دھکا دے کر گرا دیا۔ "دفعہ ہو، سُور کے تخم" اُس نے بچّے کو اُٹھا لیا۔ چھ سال کا بچّہ اُس کے کولہے پہ جما اعجاز کو عجیب سا لگا۔

"چل چھوڑ اِس کا پیچھا" اُس کے ساتھی نے ہاتھ سے پکڑ کر کنیز کو ایک طرف کیا۔ "جو ہونا تھا ہو گیا۔"

"ہو کیا گیا۔ اِس بغیرت کے سامنے تھانیدار نے میرے نالے پر ہاتھ ڈالا، یہ مُنہ نیچا کرے بیٹھا رہا۔"

"چل اب چھوڑ اِس قصے کو۔"

کنیز اعجاز سے مخاطب ہوئی۔ "مَیں نے اِس تھرڈ لے کے ساتھ نہیں رہنا۔ میری جان نکال دو ملک جی، اِس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔"

اعجاز کا دِل لمحاتی طور پہ اُچھلا۔ ساتھ ہی اُس کی نظر اُس دُوسرے آدمی پہ پڑی جو آنکھوں میں چمک اَور چہرے پہ اعتماد لِئے کنیز کے بہت قریب، اپنا ہاتھ اُس کے کندھے پہ رکھے کھڑا تھا۔

"بیوقوفی مت کر،" اعجاز بے اختیار ہو کر بولا، "چل، جھگڑا ختم ہو گیا ہے۔ اور تجھے کیا چاہیے؟"

"مجھ کو بڑا کچھ چاہیے ملک جی،" کنیز بولی، "میری بات پر مٹّی نہ ڈالو۔ میرا نہ اِس سے کوئی واسطہ نہ اِس کی پیشگی سے۔ میں ساری دُنیا کی نوکر ہوں، پر کسی کی غلام نہیں ہُوں۔ مجھ سے کہتے ہو اِس تھرڈ لے کے ساتھ جاؤں جو دِن کو غلامی کرواتا ہے اَور رات کو دھوتی اُٹھا کے میرے اُوپر سوار ہو جاتا ہے؟ میرے بچّے سے اِس کا کوئی واسطہ نہیں۔ آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے برتن مانجھ لوں گی، مگر اِس کو سکُول بھیجوں گی، کسی کی غلامی میں نہیں دوں گی۔"

"کنیز۔۔۔۔" دُوسرا آدمی بولا، "اِس بات کو کل پر چھوڑ دے۔ اب گھر چلی جا۔"

"تو بھی۔۔۔۔" کنیز بھڑک کر بولی۔

اُس آدمی نے نرم لہجے میں کنیز کی بات کاٹ دی۔ "دیکھ، میری بات مان، حوصلہ کر، دِل کو آرام دے۔ بڑا وقت پڑا ہے۔ جا۔۔۔۔" اُس نے ہاتھ کے ہلکے سے دباؤ سے کنیز کو سڑک کی جانب بڑھایا۔ کنیز اُس کے چہرے پہ ملامت بھری ٹکٹکی باندھے، ٹیڑھے ٹیڑھے قدم رکھتی ہُوئی اَپنے راستے پہ چل پڑی۔ اُس کے پیچھے پیچھے اَپنی پسلی پہ ہاتھ رکھے ارشاد بھی چل دیا۔

"آپ کا اِسم شریف؟" اُس آدمی نے اعجاز سے پُوچھا۔

"محمد اعجاز۔"

"میرا نام بشیر احمد ہے،" وہ مصافحے کے لِئے ہاتھ بڑھا کر بولا۔ اعجاز نے اُس سے ہاتھ ملایا۔ "کنیز نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔ آپ نے اِن کی بڑی مدد کی، دوا دارو کرا دیا، اِن لوگوں کو کون پُوچھتا ہے، نہ اِن کا گھر نہ گھاٹ، نہ کوئی ٹھکانہ، دو گٹھڑیاں اُٹھا کر ایک بھٹے سے دُوسرے کو جاتے رہتے ہیں۔ اپنا پتا تک لکھانے سے لاچار ہیں۔"

"آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

"کام کیا کرتا ہُوں صاحب، بیکار ہی سمجھئے۔" بشیر احمد ہلکی سی تلخ ہنسی ہنس کر بولا۔ اِس ہنسی کو سُن کر اعجاز کو دِل میں ذرا سی حیرت ہوئی۔ بشیر احمد کے چہرے پہ تلخی کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ ایسے لوگوں میں سے تھا جن کے جبڑے کی مضبوطی اَور آنکھوں کی چمک سے ہمیشہ اُمید اَور اِرادے کی کرن پھُوٹتی معلوم ہوتی تھی۔ وہ ایک میانے قد کا پتلا سا آدمی تھا۔ اُس کے چہرے پہ صِرف اُس کا دہانہ اَیسا تھا جس کی بناوٹ سے سنک کی جھلک ملتی تھی، چُنانچہ باتیں کرتے کرتے جب وہ اَپنی مختصر سی ہنسی ہنستا تو اُس کے چہرے پہ تلخی اَور خلوص کے دو عناصر آپس میں ایسے گتھم گتھا ہوتے ہُوئے ملتے تھے کہ دیکھنے والا چونک اُٹھتا تھا۔ وہ ایک عام چال ڈھال کا آدمی تھا جسے، اُس کے باتیں کرنے کے اَنداز اَور مخصوص ہنسی نے ایک منفرد شخصیت عطاء کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارشاد اَور کنیز کو آپ کتنے عرصے سے جانتے ہیں؟" اعجاز نے پُوچھا۔

جواب دینے کی بجائے بشیر احمد اِدھر اُدھر دیکھنے لگا، جیسے بیٹھنے کی کسی جگہ کا متلاشی ہو۔ "آپ کے پاس کچھ فرصت ہے؟" اُس نے پُوچھا۔

"مجھے کوئی خاص کام تو نہیں۔"

"میں داروغہ والا میں رہتا ہُوں۔ اگر آپ تکلیف نہ سمجھیں تو میرے غریب خانے پر چلیں۔ بیٹھیں گے، کچھ باتیں کریں گے۔"

اعجاز کا آدھا دِل کہتا تھا اِس آدمی سے دُور بھاگے، آدھا اِس شخص کے بارے میں متجسس تھا۔ "کیسے جائیں گے؟" اُس نے پُوچھا۔

"گھنٹے گھنٹے پر بس جاتی ہے۔ آدھ گھنٹے کا رستہ ہے،" بشیر احمد کلائی کی گھڑی پر نظر ڈال کر بولا۔ "پانچ مِنٹ میں بس آنے والی ہے۔"

اعجاز رُک کر سوچتا رہا۔

"ویسے اگر آپ کو۔۔۔۔" بشیر احمد نے کہا۔

"نہیں نہیں،" اعجاز جلدی سے بولا، "چلتے ہیں۔"

بس آئی تو دونوں اُس میں سوار ہو گئے۔

"آپ اِسی علاقے کے رہنے والے ہیں؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"میں جس مکان میں رہتا ہُوں اُسی میں پیدا ہُوا تھا۔ میرے والد صاحب کی سبزیوں اَور پھلوں کی دُکان ہے۔"

"آپ اُس کاروبار میں نہیں گئے؟"

"میں پڑھائی میں پڑ گیا،" بشیر احمد اَپنی مختصر سی مخصوص ہنسی ہنسا۔ "مگر اپنے علاقے سے باہر نہیں گیا۔ لوکل سکُول سے میٹرک کیا۔ پہلے مغلپورہ کے ایک ورکشاپ میں جونیئر کلرک رہا۔ پھر اَپنے گھر کے پاس پرائمری سکُول میں پڑھاتا رہا۔ وہاں سے چھ سال کی سروس کے بعد برخاست کر دیا گیا۔"

"کیوں؟" اعجاز نے بے ساختہ سوال کیا۔

"مَیں نے ایک روز غصّے میں آ کر کہہ دیا تھا کہ دو مہینے سے سکُول کا نلکا ٹوٹا ہُوا ہے، گرمیوں کے دِن ہیں، بچّے پیاس سے بیہوش ہو رہے ہیں، مٹکوں کا پانی ایک گھنٹے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ختم ہو جاتا ہے، بھرنے والا کوئی نہیں، درخواستیں دے دے کر تھک گئے ہیں، افسر اپنے دفتر میں بیٹھے ٹھنڈے شربت اُڑا رہے ہیں، اگر دو دِن کے اندر نلکا ٹھیک نہ ہوا تو بچوں کو گھر بھیج دیا جائے گا۔ بس اِتنی ہی بات تھی۔"

اعجاز ہکا بکا رہ گیا۔ کیا یہ محض اِتفاق تھا، اُس نے سوچا، یا کہ اِس میں کوئی خُدائی راز پنہاں تھا؟

"مجھے علم ہے کہ آپ بھی ایک لائق اُستاد ہیں۔ آپ کو ایجوکیشن کے افسروں کے کرتوتوں کا پتا ہی ہوگا، پیسے سرکاری دوروں اور اللوں تللوں پر خرچ کر دیتے ہیں، پھر کہتے ہیں فنڈ ختم ہو گئے ہیں۔ چھت ٹپکیں، دیواریں گریں، کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ فنڈ ختم ہو گئے ہیں۔ مگر جب بچے گرمی سے پیاسے بیٹھے رہیں تو جناب یہ سکول ہے یا کربلا کا میدان ہے؟ آپ کے سکول کے حالات ٹھیک ہیں تو یہ آپ کی خوش قسمتی ہے۔۔۔۔"

کچھ بس کے شور کی وجہ سے، کچھ اپنے خیال کی یورش سے، اعجاز نے بشیر احمد کی بات سننا چھوڑ دی۔ میں اِسے بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا قصہ ہوا ہے، اُس نے سوچا؟ اُس کا جی چاہا کہ بشیر سے پوچھے اُسے کیسے برخاست کیا گیا تھا؟ کیا استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا تھا؟ مگر اعجاز کے اندر جو بند بندھا ہوا تھا اُس نے زبان نہ کھلنے دی۔ اب اُس کے اندر دھیما دھیما غُصہ اُٹھنے لگا، جو بس کی رفتار اور عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار کے ساتھ تیز ہوتا چلا گیا۔ بشیر نے تو شاید کوئی قصور کیا تھا، اعجاز نے سوچا، میرا کیا جُرم تھا؟ یہ کہ میں ایک پُرانے دوست کے پاس مِل بیٹھنے کو جایا کرتا تھا؟ بس کی رفتار اب کم ہو رہی تھی۔ اُسے پتا بھی نہ چلا تھا کہ بس کئی مِنٹ سے شہر کی آبادی میں داخل ہو چکی تھی۔ بشیر کہہ رہا تھا، "میں والد صاحب کی مدد کے لِئے کچھ نہ کچھ کر دیتا ہوں۔ نماز پڑھنے کو مسجد میں جاتے ہیں تو دُکان پہ کھڑا ہو جاتا ہوں تاکہ کاروبار بند نہ ہو۔ مگر اِس کام میں میرا جی نہیں لگتا۔ والد صاحب نماز کی تلقین کرتے رہتے ہیں، مگر کیا کروں، میرا اعتبار ہر چیز سے اُٹھ گیا ہے۔ بس کام کی ایک آدھ بات رہ گئی ہے، باقی سب وقت گزاری کے معاملے ہیں۔ مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔"

بشیر احمد کا گھر درمیانے درجے کے عام پیشہ ور گھروں کی مانند اِینٹوں کا مکان تھا جس کا دروازہ گلی میں کھلتا تھا۔ اُس کا اپنا نہایت چھوٹا سا کمرہ، جس میں مشکل سے پانچ چھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمی زمین پہ بیٹھ سکتے تھے، بیٹھک کے ساتھ لگتا تھا۔ اِس کا ایک دروازہ بیٹھک اَور دُوسرا گلی میں کھلتا تھا۔ بشیر نے اَندر سے جا کر دروازہ کھولا۔ فرش پہ پتلی سی دری بچھی تھی جس پہ تین اطراف دیواروں کے ساتھ تکیئے رکھے تھے۔ نہ چارپائی کی جگہ تھی نہ کرسیوں کی، صِرف ایک کونے میں چھوٹی سی تپائی پڑی تھی جس پہ دو تین کتابیں تھیں۔ دیواروں میں دو جگہ پر آلے بنے تھے جن کے اَندر بقیہ کتابیں اُوپر نیچے رکھی تھیں۔ دیواروں پر چاروں طرف چھوٹے بڑے پوسٹر لگے تھے۔ سب پوسٹر قلم سے بنی ہُوئی ڈرائینگوں کے پرنٹ تھے جن میں اِنقلابی مزدُور لیڈر ایک ہاتھ میں کوئی جھنڈا پکڑے، دُوسرا بازو فاتحانہ اَنداز میں اُٹھائے مارچ کرتے ہُوئے دِکھائے گئے تھے۔ اُن میں کئی ایک بڑی بڑی مونچھوں اَور چھوٹی چھوٹی ڈاڑھیوں والے خُوبصورت جوان تھے۔ صِرف ایک چھوٹی سی ڈرائنگ تھی جِس میں کسی بچّے نے مختلف رنگ کے چاک اِستعمال کر کے ایک کشتی اَور ملاح کی تصویر بنائی تھی۔ پوسٹروں کے درمیان ننگی دیواروں پہ اُچٹتی ہُوئی سفیدی اَور اُکھڑے ہُوئے پلستر کے چٹاخ تھے۔ چھت پہ بجلی کا پنکھا تھا جس کے پر گرد اَور مکھی کی بیٹوں سے اَٹے پڑے تھے اَور درمیان میں مکڑی کے جالے لٹک رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا ایک مدت سے خراب پڑا ہے۔ موسم گو کھُل چُکا تھا مگر چلنے پھرنے سے پسینہ نِکل آتا تھا۔ بشیر نے دری سے ہاتھ کا پنکھا اُٹھا کر اعجاز کو دیا۔

"آپ کسی یُونین سے وابستہ ہیں؟" اعجاز نے پُوچھا۔

بشیر کے مُنہ سے اُس کی مختصر ہنسی نِکلی۔ "بیٹھئے،" وہ دری پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تشریف رکھئے۔"

اعجاز ہاتھ سے اَپنے آپ کو پنکھا جھلتا ہُوا بیٹھ گیا۔ بیٹھک کا دروازہ کھُلا اور ایک گیارہ بارہ سال کا بچّہ چھوٹی سی ٹرے میں پانی سے بھرے دو گلاس لِئے داخل ہُوا۔

"یہ چھوٹا بھائی عاطف ہے،" بشیر نے کہا۔ بچّہ ٹرے زمین پہ رکھ کر اُسی دروازے سے گھر کے اَندر چلا گیا۔ بشیر پانی کا گلاس اُٹھا کر غٹ غٹ پی گیا۔ اعجاز نے دو گھونٹ پانی کے پیئے اَور گلاس واپس ٹرے میں رکھ دیا۔

"یُونین وونین کیا ہے ملک صاحب،" بشیر ہاتھ سے مُنہ صاف کر کے بولا، "برخاستگی کے بعد مَیں نے ٹیچرز یُونین سے مدد طلب کی، وہ ٹال مٹول کرتے رہے۔ آخر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا اعتبار اُٹھ گیا۔ کئی مہینے تک میں سوچتا رہا کہ اُوپر جاؤں، ڈائریکٹر کو اپیل کروں، وزیر کو درخواست دُوں۔ پھر ایک روز مجھے ایک عجیب واقعہ دیکھنے کا اتفاق ہُوا۔ ہماری دُکان کے سامنے مزدُور ڈرین بنانے کے لِئے کھُدائی کر رہے تھے۔ اُدھر سے ایک تیز رفتار کار آئی۔ اُس نے ایک مزدُور کو کچل کے رکھ دیا۔ ڈرائیور نے پہلے بریک لگائی، پھر معاملے کی سنگینی کو دیکھ کر کار کو بھگا لے چلا۔ مزدُوروں نے یہ دیکھا تو اپنی قطار کے اگلے مزدُوروں کو آوازیں دیں، روکو، روکو۔ وہاں سے ایک مزدُور نے چھلانگ لگائی اَور کُود کر کار کے بونٹ پر جا چڑھا۔ ڈرائیور نے تیزی سے کار کو دائیں اَور بائیں چکّر دیئے تاکہ آدمی بونٹ سے پھسل کر گر جائے۔ مگر وہ بُڈھا مزدُور چمگادڑ کی طرح ہاتھ پاؤں پھیلائے کار سے چمٹا رہا۔ آخر کوئی دو سو گز کے فاصلے پر شہر کے لوگوں نے سڑک کے بیچ آ کر رستہ بند کردیا۔ ڈرائیور گاڑی رُکنے سے پہلے ہی دروازہ کھول کر نِکلا اَور بھاگ کھڑا ہُوا۔ اُس کے تعاقب میں دس بارہ مزدُور تھے۔ چند قدم پر ہی اُنہوں نے ڈرائیور کو جالیا۔ پھر جو اُنہوں نے مارنا شُروع کیا ہے، اللہ پناہ! لہو لہان کر دیا۔ اگر پولیس نہ آ جاتی تو جان سے مار کر چھوڑتے۔ پولیس نے ڈرائیور کے علاوہ چار مزدُوروں کو بھی گرفتار کر لیا۔ جیسے ہی گرفتاریاں ہوئیں، سارے کے سارے مزدُوروں نے جو کوئی پچیس تیس ہوں گے، اَپنی اَپنی روٹی کی پوٹلیاں پگڑیوں کے پلوؤں میں باندھ کر کندھے پر لٹکائیں، اوزار اُٹھائے اَور کام چھوڑ کر سڑک پر آ جمع ہُوئے۔ اُنہوں نے کہیں سے ایک چارپائی اُٹھائی اَور کچلے ہو مزدُور کو اُس پہ ڈال کر نعرے لگاتے ہُوئے تھانے پہنچ گئے۔ رستے میں اُن سب نے مِل کر خالی کار کو ایک طرف سے اُٹھایا اَور لڑھکا کر اُس گڑھے میں دھکیل دیا جِسے وہ کھود رہے تھے۔ جب اُنہوں نے زخمی مزدُور کو اُٹھانے کی کوشش کی تو پہرے پر مقرر سپاہی نے اُنہیں روکنے کی کوشش کی مگر مزدُوروں کے طیش کے سامنے کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اِسی طرح پولیس والے کار کے گِرد بھی چاک سے نشان لگا گئے تھے۔ مزدُوروں نے اُن کی پرواہ کئے بغیر کار کو اُلٹا دیا۔ میں اُن کے ساتھ تھانے تک گیا۔ رستے میں، مَیں نے دیکھا جہاں بھی مزدُور کام کر رہے ہوتے، معاملہ سُن کر دو چار ساتھ چل پڑتے۔ یہ گروہ لگاتار نعرے لگاتا جا رہا تھا، "قاتلوں کو پھانسی دو۔ مزدُوروں کو چھوڑ دو۔" تھانے کے باہر مزدُوروں کا ٹھٹ لگ گیا۔" بشیر بولتے بولتے چُپ ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ دیر اِنتظار کرنے کے بعد اعجاز نے پُوچھا، "پھر؟"

"خبر نہیں کیا ہُوا۔ میں تو تھوڑی دیر رُک کر چلا آیا۔ مگر ایسا اِکٹھ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ہو سکتا ہے مارے ہی گئے ہُوں۔"

"مارے گئے ہوں؟"

"یعنی لاٹھی چارج ہوا ہو، یا مزید گرفتاریاں ہُوئی ہوں، یا پیسے دے دلا کر ڈرائیور کو چھوڑ دیا گیا ہو اَور مزدُوروں کو اَندر کر دیا گیا ہو۔ مگر یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ بات اکٹھ کی ہے۔ یُونینیں کیا کرتی ہیں، میں آپ کو بتاتا ہُوں۔ اُس دِن ایک دو یُونینوں تک بات پہنچ گئی۔ وہ ایک دُکان کے ٹیلیفون پر بیٹھ کر پُوچھتے رہے، کتنے آدمی اکٹھے ہُوئے ہیں، اب کتنے ہُوئے ہیں، اور اب کتنے ہُوئے ہیں۔ اُنھوں نے صاف کہہ دیا کہ جب تک کم از کم سو آدمی نہ ہوں ہم نہیں آئیں گے کوئی فائیدہ نہیں۔ جب اُن کو اطلاع ملی کہ سو سے زیادہ آدمی جمع ہو چکے ہیں تو پھر ایک دو لیڈر صاحبان آئے، تقریریں کیں، نعرے مروائے، خبریں لگوائیں، اَندر جا کر تھانیداروں سے بات کی اَور مزدُوروں کو دلاسا دے کر واپس چلے گئے۔ مزدُور کے خُون کا کس کو پاس ہے؟"

بشیر پھر خاموش ہو گیا۔ اعجاز کے خیال میں کرنے کو کوئی بات نہ آ رہی تھی۔ بشیر نے دوبارہ اَپنی بات جاری کی۔ "اُس روز مجھے ایک بات کا پتا چلا، کہ اِکٹھ میں کوئی طاقت ہے یا نہیں ہے، مگر یہ بات بہت بڑی ہے۔ ملک صاحب، میں آپ کو بتاتا ہُوں۔ دیہاڑی دار مزدُور صبح سویرے خالی جیب گھر سے نِکلتا ہے۔ پیچھے گھر میں تھوڑا بہت آٹا ہے تو اُس کی عورت دو چار روٹیاں پکا کر بیٹھ جاتی ہے، نہیں تو اِنتظار کرتی رہتی ہے۔ وہ دیہاڑی لے کر آتا ہے تو ہانڈی چڑھتی ہے۔ اگر دیہاڑی نہیں لگتی تو ریڑھی والوں سے قرض پہ کام چلتا ہے۔ تو جناب ملک صاحب، مزدُور کے لِئے دیہاڑی توڑنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ صِرف وہی جانتا ہے جس نے کل کا کھانا کمانے کے لِئے باہر نِکل کر کام کرنا ہوتا ہے۔ ورنہ کل گئی، چلی گئی، غائب ہو گئی، کینسل ہو گئی، پرسوں میں تبدیل ہو گئی، سمجھ گئے آپ؟ اب آپ پُوچھیں گے کہ پھر اِکٹھ کیسے ہو جاتا ہے؟ تو حضورِ والا، اِکٹھ اِس لِئے ہو جاتا ہے کہ مزدُور کی کل مقرر نہیں ہوتی، ہو گئی، ہو گئی، نہ ہُوئی تو نہ ہوئی۔ اِن کی زندگی کا وطیرہ ہی یہ ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جس ساتھی کے سارے دِن ہی ختم ہو گئے ہیں اُس کی خاطر ایک اَور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کل ضائع ہو گئی تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ایسا اِکّھ مَیں نے بڑے بڑوں میں نہیں دیکھا۔ بڑے بڑوں کا اِکّھ فائیدے کی خاطر ہوتا ہے۔ اِن لوگوں کا اِکّھ نقصان کی بنا پر قائم ہوتا ہے۔ یہی فرق ہے۔"

اعجاز اب مسحور ہو کر اُس کی باتیں سُن رہا تھا۔ بشیر کے چہرے پہ اب طنز یا تلخی کا سایہ تک نہ تھا، صِرف ایک مثبت جذبے کی جھلک تھی۔ اِس سارے دوران میں اُس نے ایک بار بھی اپنی آواز بلند نہ کی تھی، مگر اُس کے ہموار لہجے کے ایک ایک لفظ میں گہرا تاثر تھا۔ جب اُس نے بولنا بند کیا تو اعجاز چونک اُٹھا، گویا ایک سحر ٹوٹ گیا ہو۔ وہ چُپ بیٹھا بشیر کے چہرے کو دیکھتا رہا، جیسے اپنی خاموشی کے ذریعے کہہ رہا ہو، بولتے جاؤ، کُچھ اَور بتاؤ، میرے دِل کو آرام پہنچاؤ۔"

"اُس دِن مُجھے معلوم ہوا، بشیر نے کہا، "کہ اُوپر کی بجائے میرا راستہ نیچے کو جاتا ہے۔"

"نیچے کو؟" اعجاز کُچھ نہ سمجھتے ہُوئے بولا۔

"اَمیروں اَور وزیروں کی جانب دیکھنے سے مُجھے کُچھ حاصل نہ ہو گا، اگر کُچھ ہو گا تو اِن لوگوں سے ہو گا۔ یہی ہمارا مقام ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ یہ لوگ کتنے بے علم ہیں؟ نہ مسجد میں جاتے ہیں نہ روزہ نماز کے پابند ہیں۔ مولوی کی بات اُن کے اُوپر سے گزر جاتی ہے۔ اللہ رسُول اِن کے لِئے ایسی چیزیں ہیں جیسے سینکڑوں میلوں سے کسی پہاڑ کی چوٹی نظر آئے جس پہ برف جمی ہُوئی ہوتی ہے۔ مگر اِن لوگوں کا اپنا ایک ایمان ہے۔ یہ وہ ایمان ہے جو اِن کو کسی دُوسرے کے لِئے اپنا پیٹ کاٹنے کا اہل بناتا ہے۔" بشیر کا گلا سُوکھ رہا تھا۔

"اتی۔۔۔۔" اُس نے آواز دی۔

عاطف آیا تو بشیر نے اُسے پانی لانے کو کہا۔ بچّہ اُس کا گلاس اُٹھا کر لے گیا اَور پانی سے بھر لایا۔ بشیر نے گلاس مُنہ سے لگا کر آدھا ختم کر دیا۔ وہ گلاس نُرے میں رکھ کر ہاتھ سے مُنہ پُونچھ رہا تھا کہ اعجاز نے پُوچھا،

"بھٹے کے ساتھ آپ کا تعلق کیسے بنا؟"

"ہاں، آپ نے پُوچھا تھا کہ میں اِن لوگوں کو کتنے عرصے سے جانتا ہُوں۔ اصل میں یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا۔ ہماری زندگیاں اِتفاق کی ڈھب پر ہی تو چلتی ہیں۔ کیوں، یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سچ نہیں؟" وہ ہنسا، اور اُس کے چہرے پہ اُس عجیب ہنسی کا تاثر پھیل گیا۔ اِس شخص کے ساتھ، اعجاز نے سوچا، کوئی واقعہ گزرا ہے، ایسا خوفناک واقع، کوئی ایسی گہری دِلآزاری جس نے اپنے آپ پہ اور دُنیا پہ اِس کا ایمان متزلزل کر دیا ہے اور ایک نئے، گھناؤنے ہُوئے جہان کی جھلک دِکھائی ہے۔ اعجاز کے اُڑان کرتے ہُوئے تخیل کے اندر بشیر احمد اُسے ایک ایسا آدمی لگا جو موت کی شکل دیکھ کر واپس آیا ہو۔

"میرے ماموں نے ایک غریب گھرانے میں شادی کی ہے،" بشیر نے کہنا شروع کیا۔ "اس کے سُسرال والوں میں کچھ لوگ بھٹہ مزدُور ہیں۔ اُن لوگوں سے مجھے حالات جاننے کا موقعہ ملا۔ آپ نے اِنہیں دُوسرے مزدُوروں کی طرح غریبی کی حالت میں مشقت کرتے ہُوئے دیکھا ہے۔ مگر معاف کیجئے گا، آپ کو حقیقت حال کا پتا ہو تو کپڑے پھاڑنے لگ جائیں۔ دیہاڑی داروں کی 'کل' اپنی نہیں ہوتی، بھٹہ مزدُوروں کی زندگی ہی اپنی نہیں ہوتی۔ کیا آپ کو علم ہے کہ آج کل کے زمانے میں بھی یہ لوگ خریدے اور بیچے جاتے ہیں؟"

"نہیں۔" اعجاز نے کہا۔

"جی ہاں۔ آپ پیشگی کے لفظ سے واقف ہیں؟"

"تھوڑا بہت۔"

"اِس پیشگی کی رقم سے اِن کے سارے کنبے کی زندگی کا سودا طے پاتا ہے۔ پیشگی کی رقم کا تعیّن ہی اِس بنیاد پر ہوتا ہے کہ کنبے میں کتنے ہاتھ کام کرنے والے ہیں۔ نہ عورت کا سوال نہ بچے کا، پانچ سال سے لے کر اسّی سال کی عمُروں تک صِرف ہاتھوں کی تعداد گنی جاتی ہے اور پیشگی طے پاتی ہے۔ اگر مزدُور ایک مالک سے تنگ آ کر دُوسرے بھٹے پر جانا چاہے تو مالک اُسے پیشگی کی پرچی بنا کر دے دیتا ہے۔ دُوسرا مالک پہلے کو پرچی کی رقم ادا کر کے مزدُور کو بمعہ اہل و عیال خرید لیتا ہے۔ مزدُوری کا حساب یہ ہے جناب من، کہ ہر ہفتے مزدُوری آدھی ملتی ہے، بقیہ آدھی پیشگی کے کھاتے میں کاٹ لی جاتی ہے۔ اب آپ کا خیال ہو گا کہ کچھ عرصے کے بعد پیشگی کی رقم ادا ہو جائے گی؟ جی نہیں، سال کے بعد پیشگی دُگنی ہو چکی ہوتی ہے۔"

اعجاز کو اِس سارے سلسلے کا دُھندلا سا تصور تھا مگر تفصیلات کا علم نہ تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دُگنی کیسے ہو جاتی ہے؟" اُس نے پُوچھا۔

"دُگنی نہ ہو تو ڈیڑھ گنا ضرور ہو جاتی ہے۔ مقصد میرا کہنے کا یہ ہے کہ پیشگی بجائے گھٹنے کے بڑھتی ہی رہتی ہے۔ اَن پڑھ لوگ ہیں۔ جمع تفریق کی خبر کس کو ہے۔ اِن لوگوں نے یہ بات تسلیم کرلی ہُوئی ہے کہ عُمر بھر کی غلامی ہے، حساب کتاب کے چکّر میں کون پڑتا رہے؟ یہ تو اِتوار کے اِتوار اپنی مزدُوری کو تنخواہ کا نام بھی نہیں دیتے، کہتے ہیں خرچہ لینے جا رہے ہیں۔ اِس 'خرچے' سے آپ کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ غلامی کا چکّر اِن کے خُون میں داخل کر دیا گیا ہے۔ پیشگی کا قرض نسل در نسل چلتا ہے۔ باپ کی پیشگی بیٹے یا بیوی کو منتقل ہوتی رہتی ہے، جیسے بڑے لوگوں کی وراثت میں جائیداد منتقل ہوتی ہے۔ مَیں نے کہا ناء، کہ بڑے لوگوں کا اِتفاق آپس میں فائیدے کی خاطر ہوتا ہے، اِن لوگوں کے اِتفاق کی بنیاد نقصان پر اُٹھتی ہے۔"

"یہ تو بڑی ناانصافی ہے،" اعجاز نے کہا۔

"یہ کوئی آج کی بات ہے؟ جناب یہ مُسلمانوں کے مذہب سے، عیسائی کے مذہب سے، یہودی کے مذہب سے بھی پہلے کی بات ہے۔ یہ دیکھئے،" بشیر اُٹھا اور تپائی سے ایک پُرانی سی چھوٹے سائز کی جلد والی کتاب اُٹھا لایا۔ جلدی جلدی اُس کے ورق اُلٹ پلٹ کر ایک مقام پہ اُنگلی رکھی۔ "یہ انجیل ہے۔ اِس کے بابُ الخروج کی یہ تحریر پڑھیئے۔" اُس نے کتاب اعجاز کے آگے بڑھائی، پھر خُود ہی جھُک کر پڑھنے لگا: "جب حضرت موسیٰ اَور ہارون نے جا کر فرعون سے کہا کہ خُداوند اِسرائیل کا خُدا یُوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ بیابان میں میرے لِئے عید کریں، تو فرعون نے جو اُن سے بیگار لیتا تھا ان مظلوموں پر ظلم کی انتہاء کر دی، اَور اُسی دِن فرعون نے بیگار لینے والوں اَور سرداروں کو جو لوگوں پر تھے حکم دیا کہ اب آگے کو تُم ان لوگوں کو اِینٹیں بنانے کے لِئے بُھس نہ دینا جیسے اب تک دیتے رہے، وہ خُود ہی جا کر اَپنے لِئے بھس بٹوریں، اَور اُن سے اُتنی ہی اِینٹیں لینا جتنی وہ اب تک بناتے آئے ہیں، تُم اُس میں سے کُچھ نہ گھٹانا، کیونکہ وہ کاہل ہو گئے ہیں، اِسی لِئے چلّا چلّا کر کہتے ہیں ہم کو جانے دو تاکہ اَپنے خُداوند کے لِئے قربانی کریں۔" تو جناب من، یہ فرعون سے بھی پہلے کی بات ہے۔ اب سے پانچ چھ ہزار سال پہلے کے آثار قدیمہ کھود کر نکالے گئے ہیں، کیا وہاں سے اِینٹیں بر آمد نہیں ہوئیں؟ اِس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناانصافی کی قدامت کا حساب لگانا مشکل ہے۔ انگریزوں نے اُنہیں کلمہ پڑھا کر دین میں شامل کرلیا، مگر جاگیریں ٹوانوں اَور ممدوٹوں کو ہی دیں۔ عیسائی پادری اِن سے یہی کہتے رہے کہ جس کا کھاؤ اُس کے آگے دم نہ مارو۔ بشپ صاحب ایسے ہی تو چلے نہیں آئے تھے، اُن کی نمبرداری کا سوال تھا۔ کسی عیسائی مزدُور کی مجال نہیں جو گواہی دے۔ کرنل جوزف کو ہزاروں اینٹوں کا چڑھاوا چڑھ گیا۔ بس، اَور کیا چاہیے؟ ارشاد کو دو سو روپے دے کر گھر بھیج دیا۔ مگر کیا یہ روپے اُس کی جیب میں گئے؟ نہیں صاحب، اُس سے کہا گیا کہ کاپی کے اَندر یہ رقم اُس کی پیشگی سے منہا کر دی جائے گی۔ وہ نالائق اِسی بات میں خُوش ہوگیا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ ایک عورت کنیز میں نے اَیسی دیکھی ہے، ان لوگوں کے درمیان میرے سارے تجربے کے اَندر وہ اکیلی ہی دیکھنے میں آئی ہے جس کے دِل میں آزادی کا زور ہے۔ میں اُسے چھ ماہ سے جانتا ہُوں، اِس عرصے میں اُس نے جوبات بھی کی ہے اُس پہ قائم رہی ہے۔ ورنہ دُوسری عورتوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ اُن کا آدمی کہیں بھاگ واگ جائے تو بھٹے والے عورت کو کسی زمیندار کے ہاتھ ہزار دو ہزار میں بیچ کر اَپنے پیسے پُورے کرلیتے ہیں۔ کنیز نے اگر کہا ہے کہ وہ ارشاد کو چھوڑ دے گی تو وہ اَیسا ہی کرے گی۔"

"ارشاد عدالت میں نہ پہنچ جائے گا؟" اعجاز نے کہا۔

"ارشاد کا اُس کے اُوپر کوئی کلیم نہیں بنتا۔"

"وہ اُس کا خاوند نہیں؟"

"واہ، آپ بھی کیا بھولے بادشاہ ہیں۔ کنیز آزاد عورت ہے۔ اُس کا آج تک کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہُوا۔"

"اُس کے بچے کا باپ----؟؟"

"کسی اَور بھٹے پر کوئی اَور آدمی ہوگا۔ اُس سے پہلے کوئی اَور ہوگا۔ سب چل چلا گئے۔ اِن لوگوں کی زندگی اِسی طرح گزُرتی ہے۔ کنیز کو ارشاد سے کوئی ڈر نہیں۔ البتہ مالکوں سے خطرہ ہے، کہ وہ اُسے اُٹھوا دیں گے۔ اِسی لِئے مَیں نے ایک سکیم بنائی ہے۔"

اعجاز نے رُک کر پُوچھا، "کیا سکیم ہے؟"

"میرے ماموں کے رشتہ دار چُونیاں کے علاقے میں بھٹے پر کام کرتے ہیں۔ میری سکیم یہ ہے کہ کنیز کو چوری چھپے لے جا کر اُن کے پاس چھوڑ آوں۔ اُن کے کچُھ لوگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہاڑی میں بھی ہیں۔ ایک دفعہ یہاں سے نِکل جائے تو پھر خیر ہے۔ مالک ارشاد سے بنتے رہیں گے۔"

"آپ کا" اعجاز نے بے خیالی سے پُوچھا "اب بھٹہ مزدُوروں سے تعلق۔۔۔۔" اُس نے سوال کو ہوا میں اٹکا چھوڑ دیا۔

"تعلق ولق کیا ہوگا صاحب، اِس علاقے میں بیس تیس بھٹے ہیں، لوگوں سے ملتا رہتا ہُوں۔ اِن لوگوں کی زندگیاں اِس طرح سے گروی کی نذر ہو چکی ہیں کہ زندگیاں نہیں رہیں بلکہ ایک دستور میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ اِن سے کوئی مختلف بات کرو تو سمجھتے ہیں آپ دستور کے خلاف بول رہے ہیں۔ اَپنے ڈھرے پر چلتے جانے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ پھر بھی کبھی سو میں کوئی ایک بندہ مِل ہی جاتا ہے۔ آج تک اِن کا کوئی نظام قائم نہیں ہو سکا، نہ ہی کوئی اِن کی جانب نگاہ کرتا ہے۔ تقریریں کرنے والے لیڈر سمجھتے ہیں کہ یہ کیڑے مکوڑوں سے بھی گئے گزرے لوگ ہیں، اُنہیں اِن لوگوں میں اپنا کوئی فائیدہ نظر نہیں آتا۔ یہ نوّے پچانوے فیصد عیسائی لوگ ہیں، جن کو پادری کنٹرول کرتے ہیں، اَور بقیہ لوگ اِن سے فائیدہ اُٹھاتے ہیں۔ میں تو،" وہ ہنسا، "انگریزی کی مثال کے مطابق، ون مین بینڈ ہُوں۔ سچ پُوچھئے تو مجُھے اِس کا کوئی نتیجہ نِکلتا نظر نہیں آتا۔"

کچُھ دیر تک دونوں اِدھر اُدھر کی چھوٹی موٹی باتیں کرتے رہے۔ اعجاز کے دماغ میں ایک ہی سوال تھا:۔ اگر اِس کا کوئی نتیجہ نِکلتا نظر نہیں آتا تو کیا بشیر کا مقصد صِرف کنیز کو حاصل کرنا ہے؟

اعجاز نے ہاتھ بڑھا کر رُخصت چاہی۔ "اچھا، خُدا آپ کی مدد کرے۔"

"میں آپ کا وقت لینے کی جُرأت نہیں کر سکتا،" بشیر نے کہا، "آپ کی سکُول کی مصروفیت بھی ہے، زمینداری بھی ہے۔ مگر جب کبھی آپ کے پاس فرصت کا لمحہ ہو، میرا غریب خانہ کھُلا ہے۔"

ایک لمحے کو اعجاز کا ارادہ لڑکھڑایا۔ اُس کا جی چاہا کہ اپنا دِل بشیر کے سامنے کھول کر اُسے بتا دے کہ وہ اب سکُول ماسٹر نہیں رہا۔ آخری وقت میں اُس نے زُبان روک لی۔

"ضرور، ضرور،" اُس نے کہا، اَور جلدی سے ہاتھ ملا کر رُخصت ہُوا۔ باہر دِن ختم ہو رہا تھا۔